عورت کا جہانِ باطن اور اردو افسانہ

ڈاکٹر فوزیہ رانی*

Abstract:

Modern short story focuses at the complexed emotional and psychological feeling of man and woman as well as the social, political and economical problems of today's life. Female writers are more capable of describing the true feelings, thoughts and emotions of a woman. Female writers are representing the various shades of emotional and spiritual life of woman. They describe both the individual feelings of a woman and the common fears, tensions and mental stress of a person. Few female short story writers of our age represent the inner self of woman and raise the question of her identity.

افسانہ نگار جب حیاتِ انسانی کی تعبیر فنی سطح پر کرتا ہے تو اس کی نگاہ زندگی کے خارج اور زندگی کرنے والے کے باطن میں یکساں گہرائی تک جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا افسانہ انسان کے گوناگوں مسائل اور پیچیدہ ذہنی کیفیات کا مظہر بھی ہے اور اس کے باطنی خلا اور تشخص کے بحران سے بھی جُڑا ہے۔ تیسری دنیا کی پس ماندہ معاشرت میں جہاں افراد کی زندگیاں اور اقوام کے مستقبل طاقت اور اقتصادی قوت کے جوئے میں داؤ پر لگے ہیں، انسان کی بے چینی، کرب، اضطراب اور ذہنی انتشار اپنی انتہا پر اظہار کا طلبگار ہے۔ بھوک، افلاس اور بنیادی انسانی حقوق سے محرومی جیسے مسائل کا سامنا کرنے والے سماج میں عورت ہونا دوہری محکومیت کی علامت بن جاتا ہے۔ عورت کو ایک طرف تو بحیثیت فرد سارے اقتصادی اور سیاسی انتشار کا سامنا ہے اور دوسری طرف وہ مرد کے مقابلے میں اپنی ثانوی انسانی حیثیت سے جڑے ان گنت مسائل میں گھری ہے۔

سیمون دی بوانے کہا تھا کہ عورت ہی نسوانی دنیا کو گہرائی میں جانتی ہے کیونکہ اس دنیا میں اس کی جڑیں ہیں۔ اردو افسانے میں عورت کا تخلیقی اظہار اس بات کا اثبات کرتا نظر آتا ہے۔ اردو کی افسانہ نگار خواتین اپنے عہد

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، وحدت کالونی، لاہور

اور ماحول سے وابسطہ مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے باطنی مسائل کے اظہار پر بھی قادر نظر آتی ہیں۔ان خواتین کی نظر، ان کا مشاہدہ، ان کا اسلوب، ان کا احساس اور ان کا اندازِ اظہار بحیثیت فرد بھی ان کے عورت ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ عورت ہونا فطری حقیقت ہونے کے باوجود ایک سماجی احساس کی صورت میں عورت کے جسم، ذہن، احساس اور فکر کو اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے۔ایسے میں عورت کی دوہرے دباؤ کی شکار شخصیت عورت ہی کی تخلیقات میں زیادہ شدت اور گہرائی سے سامنے آئی ہے۔عورت اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنا پر اپنی صنف کے جذبات کے اظہار کی حق دار بھی ہے اور اس کی اہل بھی۔

خواتین افسانہ نگاروں نے اپنے دور کے عمومی رجحانات کی پیروی ہی نہیں کی بلکہ اپنے انفرادی انداز سے عورت کے باطنی احساس اور اس کی پیچیدہ ذہنی کیفیات کو بھی بیان کیا ہے۔ممتاز شیریں کا افسانہ ''کفارہ'' آپریشن کے دوران بے ہوشی میں ایک عورت کے ذہنی سفر کی روداد پیش کرتا ہے۔اس عورت کا ذہنی سفر ایک طرف عورت کی باطنی کیفیات اور اس کے تخلیقی کرب کے زیرِ اثر ہے تو دوسری طرف یہ عورت بطور فرد ہمیں زمانوں اور تہذیبوں کے سفر سے آشنا کرتی ہے۔جس کا انجام سکون اور امن کی تلاش میں مذہب کی پناہ میں آنے پر ہوتا ہے۔

حجاب امتیاز علی نے اردو افسانے میں جو رومانوی انداز اپنایا وہ اپنے اندر گہری معنویت لیے ہوئے ہے۔ ان کے افسانوں میں بظاہر حسین فضائیں اور تخیل کے گلزار حاوی ہیں مگر ان گلزاروں میں بسنے والے انسان اپنی نفسیات اور جذباتی کیفیات کے حوالے سے عام انسان ہی ہیں۔خاص طور پر ان کے نسوانی کردار محبت، نفرت، رشتوں، وابستگیوں اور غموں کے حوالے سے جن جذباتی انکشافات کا سامنا کرتے ہیں وہ فرد کے سماجی ردِعمل کی بجائے خالص ذاتی اور نفسی واردات کی حیثیت سے عورت کے باطن کی تصویر کشی کرتے ہیں۔حجاب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے عورت کو ایک آزاد اور خود مختار وجود کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔وہ سماجی اصولوں اور اخلاقی ضابطوں میں بندھی عورت کو نہیں بلکہ آزاد فضاؤں میں اپنی مرضی سے زندگی بسر کرتی ''آئیڈیل عورت'' کو پیش کرتی ہیں۔

حجاب امتیاز علی کے افسانے تاریکیاں (مشمولہ وہ بہاریں یہ خزائیں) میں وہ خود مرکزی کردار ہیں اور اپنے کردار کے ذریعے انسانی نفسیات کے ایک اہم پہلو کو سامنے لائی ہیں۔انسانی لاشعور میں چھپی سچائی کہ انسان اپنے فائدے کو رشتوں سے زیادہ اہمیت دیتا ہے ایک واقعہ کے ردِعمل کے طور پر آشکار ہوتی ہے۔ان کے اسی مجموعہ میں شامل افسانے ''کنواں'' میں حجاب نے امیر سہیلی کے آنے کی خبر پانے کے بعد متوسط طبقے کی لڑکی زوبی کی ذہنی و جذباتی کشمکش کو پیش کیا ہے۔سہیلی کے آنے کی خوشی پر بار بار اپنے چھوٹے سے گھر کی سستی اور کم حیثیت چیزوں پر شرمندگی کا احساس غالب آجاتا ہے۔احساس شرمندگی خوف کی صورت اختیار کر کے ذہنی تناؤ کا باعث بنتا ہے۔ سہیلی کے نہ آسکنے کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہو پاتی اور ناآسودگی کا احساس حاوی رہتا ہے۔حجاب نے زوبی کی

نفسیاتی کیفیت کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

> ''وہ گھر پہنچی۔ دریچے کے آگے جا کر کھڑی ہوئی۔ برسات کی شام تھی۔ ساون کی گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ذہنی انتشار کا طوفان اب دور کے ساحلوں پر چکر لگا رہا تھا۔ اس وقت وہ خوش تھی یا افسردہ؟ کون جانے۔ انسان کے جذبات کے اتھاہ کنویں میں کون اترے۔ وہاں گہرائی ہوتی ہے اور آنکھوں کو چکا چوند کرنے والا اندھیرا۔۔۔۔!''(۲)

جدید افسانے میں عورت بحیثیت فرد اپنی ذات کو دریافت کرتی نظر آتی ہے۔ نسائی جہاں کے داخلی رنگوں کی ان گنت قوسیں، خط اور زاویے ایک ایسے وجود کی تشکیل کرتے ہیں جو سوچتا، دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ جس کے کچھ خواب، مقاصد اور خواہشات ہیں۔ تمام تر سماجی قیود کے باوجود جس کی اپنی نظر، اپنا خیال، اپنی رائے اور اپنے مقاصدِ حیات ہیں۔ اپنے آدرش اور نظریات رکھنے والی عورت کے متنوع روپ ہمیں قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں کی عورتیں مردوں کے معاشرے میں اپنی پہچان، اپنی ذات کے حوالے سے بنانے کی آرزومند ہیں۔ وہ اپنی منزل پانے میں اکثر ناکام ہی رہتی ہیں مگر روایت کے آگے ہار مان کر اپنی انفرادیت سے انکار نہیں کرتیں۔ قرۃ العین حیدر کے ہاں عورت کا باطنی اظہار اور ذات کے اثبات کی خواہش دونوں کے امتزاج سے ایک ذہین، حساس اور دردمند عورت کا پیکر ابھرتا ہے۔ کبھی ''کارمن'' کی طرح یہ عورت معصوم محبت کی قربان گاہ پر نثار ہو جاتی ہے تو کبھی ''جلاوطن'' کی کنول رانی بن کر سمجھوتے کا وہ بن باس کاٹتی ہے جو عورت کی کامیاب سماجی اور ازدواجی زندگی کے راستے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے وجود کا کرب، اس کی روح کا سناٹا اور اس کے دل کی تنہائی کسی کو نظر نہیں آتی۔

> ''سردی بڑھتی گئی اور بے کراں تنہائی اور زندگی کے ازلی و ابدی پچھتاووں کا ویرانہ، آفتاب بہادر تم کو پتہ ہے کہ میری کیسی جلاوطنی کی زندگی ہے۔ ذہنی طمانیت اور مکمل مسرت کی دنیا جو ہو سکتی تھی، اس سے دیس نکالا جو مجھے ملا ہے اُسے بھی اتنا عرصہ ہو گیا کہ اب میں اپنے متعلق کچھ سوچ بھی نہیں سکتی۔''(۳)

قرۃ العین حیدر کے ہاں ایک طرف عورت کا شعورِ ذات نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور دوسری طرف یہ عورت وقت اور تاریخ کے جبر کے سامنے انسانی بے بسی کی نمائندہ بھی ہے۔ ان کے افسانے ''کیکٹس لینڈ'' کی طلعت جمیل سنجیدہ اور باشعور لڑکی ہے۔ طلعت اس نسل کی نمائندہ ہے جو سمجھوتہ نہیں کرتی۔ نئے وطن میں قدم قدم پر منافقت اور تضاد کا سامنا کرنے کے بعد روشن مستقبل کے سارے امکانات کو رد کرتے ہوئے وہ واپس جانے کا فیصلہ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اس نے تقسیم کے خونی مناظر کے ساتھ ساتھ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقِ وسطیٰ، افریقا اور ایشیاء میں انسانوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح کچلے جانے کے مناظر بھی دیکھے ہیں۔ اس کا مسئلہ قدروں کے

زوال سے جڑا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو زمین سے بے تعلقی کے نتیجے میں تقسیم کے بعد ہر حساس فرد کے حصے میں آیا ہے۔طلعت جمیل، پیلو سعید اور عطیہ تینوں اپنی جڑوں اور اپنی شناخت سے علیحدگی کے المیے سے دوچار ہیں۔ یہ تینوں لڑکیاں پاکستان یا ہندوستان کی تعلیم یافتہ اور جدید ذہن رکھنے والی لڑکیاں ہی نہیں بلکہ وہ باشعور افراد ہیں جو اپنی جذباتی، ثقافتی اور روحانی قدروں کے کھو جانے کے باوجود جینے کا حوصلہ اور ہنر رکھتے ہیں۔نزہت عباسی نے قرۃ العین حیدر کے ہاں عورت کے اسی باشعور وجود کی پیش کش کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''ان کے ہاں صرف عورت کے روایتی کردار ماں، بہن، بیوی یا بیٹی کے نظر نہیں آتے بلکہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، ذہین، خود اعتماد اور باشعور عورت کا روپ سامنے آتا ہے جو جدید دور میں پوری توانائی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہے۔''(۴)

انسان کی داخلی زندگی کی کھوج اور اس کے اسرار تک رسائی کی کوشش اپنی جگہ اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انسان اپنی تہذیبی اور فکری پرداخت کے سفر میں اپنی شناخت کی تلاش اور اپنی ذات کی تفہیم کے مسلسل عمل سے گزرتا رہا ہے۔ افسانہ نگار خواتین انسانی نفسیات سے آگاہ نظر آتی ہیں۔ان کے ہاں عورت کی ان پیچیدہ نفسی کیفیات کا بیان ملتا ہے جو عصری آشوب اور وقت کے جبر کا نتیجہ ہیں۔ رضیہ فصیح احمد کے دو افسانے''دو پاٹن کے بیچ'' اور''بند گھڑی'' عورت کے لاشعور کی پیچیدہ کیفیات اور عہد حاضر کے آشوب میں اس کے دولخت وجود کو سامنے لاتے ہیں ''دو پاٹن کے بیچ'' کی مرکزی کردار وہ عورت ہے جو حال اور ماضی دو دنیاؤں سے جڑی ہے۔ایک دنیا سے رابطہ منقطع کر کے دوسری میں جینا اس کے لیے ممکن نہیں۔ وہ حال میں جینے اور اس کے تقاضے پورے کرنے پر مجبور ہے۔مگر ماضی سے کٹ نہ سکنے کے باعث وہ اطمینان اور سکون سے محروم ہے۔ بڑے عہدے پر فائز شوہر کے بلند معیار پر پورا اترنے کی کوشش میں وہ آزادی کی زندگی بھی کھو چکی ہے۔ دو دنیاؤں کے درمیان معلق رہنا ہر اس شخص کا مقدر ہے جو حساس ہے اور ماضی سے رشتہ نہیں توڑنا چاہتا۔ رضیہ فصیح احمد نے اس عورت کے ماضی کے حوالے سے ایک خاص باطنی کیفیت کو بھی بیان کیا ہے۔ جس میں انسان کسی جگہ کو پہلی مرتبہ دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ اس نے یہ جگہ پہلے بھی کہیں دیکھی ہے۔ان کے افسانے''بند گھڑی'' کی مرکزی کردار بھی اسی تجربے سے گزرتی ہے۔ بچپن میں کھو جانے کے حادثے کی بازیافت کے بعد وہ اس کیفیت کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہے۔

بانو قدسیہ عورت اور مرد کے تعلق، ان کے مسائل، عورت کی سماجی صورتحال اور اس کے احساسِ محرومی جیسے موضوعات پر لکھتی ہیں۔ سماجی سطح پر عورت کے جنسی استحصال سے اس کی زندگی جن دردناک مسائل کا شکار ہوتی ہے اور وہ جس ذہنی کشمکش اور بے اعتباری کی زندگی گزارتی ہے اس کا اظہار ان کے افسانے''انتر ہوت اداسی'' میں ہوتا ہے۔ بانو قدسیہ نے اس افسانے میں حیات نسوانی سے وابستہ مختلف حقائق اور احساسات کی ترجمانی کی ہے۔

ان کے افسانوں ''موج محیطِ آب میں''، ''کاغذی پیرہن'' اور ''مات'' میں عورت کی زندگی کے مختلف مراحل پر اس کے جذباتی ردعمل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

''موج محیط آب میں'' میں عورت محبت اور رومان کے دلکش تصور کے ٹوٹنے پر شکستِ ذات کے کرب سے گزرتی ہے۔ عورت کی طلب جسم سے بڑھ کر محبت اور رفاقت کے احساس سے وابسطہ ہے۔ ازدواجی رشتے میں ان جذبات سے محرومی اس کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے۔ ''کاغذی پیرہن'' عورت کے ان جذبات کی عکاسی کرتا ہے جن سے عورت سماجی دباؤ کے تحت گریز ہی کرتی ہے مگر ان کی حقیقت سے انکار نہیں کر پاتی۔ ''مات'' کی آنٹی شائستہ ادھیڑ عمری میں جوان اور پرکشش نظر آنے والی عورت ہے۔ وہ عمر کے زوال کے شکست آور احساس سے پناہ کے لیے روحانیت کو منتخب کرتی ہے جو دراصل امتیاز برقرار رکھنے اور مرکزِ نگاہ بننے ہی کی کوشش ہے۔ ان افسانوں میں بانو قدسیہ کا مشاہدہ، ان کی نفسیاتی آگاہی اور انسانی جذبوں کے احساس کے ساتھ مل کر عورت کی جذباتی وحیاتی زندگی کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

> ''ان کا افسانہ اس منجدھار سے جنم لیتا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں ہچکولے اور غوطے کھا رہے ہیں۔ اس قسم کے مقامات پر جب عورت لبِ اظہار کھولتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے یہ آواز خود بانو قدسیہ کے لاشعور سے ابھر رہی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عورت کی نفسیات اور اس کے جسمانی اور جنسی تقاضوں سے آگاہ ہے۔ وہ اس کو خواہشوں کی سیڑھی پر چڑھتا دیکھتی ہے تو آخری سیڑھی سے اس عورت کے گرنے کا منظر بھی دکھاتی ہے۔''(۵)

افسانوی ادب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ عورت نے اپنے مطالعے اور مشاہدے کی کمی کو اپنی ذہانت اور تخیل کی مدد سے پورا کیا ہے۔ خارج کے حالات اور ان کے نتیجے میں انسان خصوصاً عورت کی بدلتی ہوئی زندگی کو ہر رنگ اور انداز میں افسانہ نگار خواتین نے موضوع بنایا ہے۔ فرخندہ لودھی گہرے تاریخی شعور اور پختہ معاشرتی احساس کی حامل افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت اپنی جذباتی وابستگیوں کے حوالے سے مرد سے زیادہ ثابت قدم نظر آتی ہے۔ ان کا افسانہ ''رومان کی موت'' مرکزی کردار ''رانی چمپاوتی'' کے روحانی سفر پر مشتمل ہے۔ چمپاوتی کی تلاش برسوں پر محیط ہے۔ وہ سچ کی کھوج میں جنگل، شمشان، قبرستان ہر جگہ ماری ماری پھرتی ہے اور بالآخر فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کی تلاش ایک فرد کی تلاش ہے جو حقیقت کو جاننا اور سچ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ سچ کے ان گنت پہلو ہیں اور انسان کی رسائی اس کے بہت کم پہلوؤں تک ہو پاتی ہے۔ رانی اپنے وجود سے جڑے سوالوں کے جواب چاہتی ہے۔ اس کی کھوج انسان کی ازلی کھوج ہے۔ دیویندر اسر کے الفاظ میں

> ''ہر دور میں انسان نے موجود سے غیر موجود اور معلوم سے نامعلوم کی طرف جانے کی کوشش کی ہے''۔(۶)

اردو افسانے میں انسان کے داخلی اور وجودی مسائل کے بیان کے حوالے سے خالدہ حسین کا نام بہت اہم ہے۔خالدہ حسین نے انسان کے باطنی مسائل کے بیان کے لیے علامات، تلمیحات، وجودی فکر اور صوفیانہ خیالات کے امتزاج سے ایک ایسا اسلوب تشکیل دیا ہے جس میں الفاظ کو دوہری سطح پر استعمال کرنے کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ ان کے اکثر مرکزی کردار عورت کے ہیں۔ان کے ہاں عورت بطور فرد اپنے وجود کی حقیقت جاننے کے لیے ذہنی و روحانی سفر کے مختلف مدارج طے کرتی ہے۔ان کے افسانوں میں متوسط طبقے کی عورت خود شناسی کے مختلف مراحل سے گزرتی دکھائی دیتی ہے۔ان کے افسانے ''پہچان'' کا موضوع ایسی ہی عورت ہے جو چار بچوں کی ماں ہونے کے باوجود تنہا ہے۔ بچے بڑے ہو کر ماں سے دور ہو جاتے ہیں اور متوسط طبقے کی یہ غیر اہم عورت شوہر کی زندگی میں کسی قابل توجہ شے کا درجہ نہیں رکھتی۔اس لیے ایک طرف احساس تنہائی ہے تو دوسری طرف شناخت کھو دینے کا خوف۔ عورت مرد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے اس کے لیے اپنی انفرادی شناخت کا حصول مشکل ہے۔دوسری طرف اس عام عورت کی زندگی کے معمولات عورت کی زندگی کے ایک اور اہم پہلو کو سامنے لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عورت کی خاندانی اور معاشرتی حیثیت غیر اہم ہے۔غیر اہم چیزوں کو ممتاز نہیں کیا جاتا انہیں شناخت عطا نہیں کی جاتی۔

خالدہ حسین نے اپنے افسانے ''آخری سمت'' (مشمولہ پہچان) میں ضابطوں، اصولوں اور نگرانی کے حصار میں زندگی گزارنے والی لڑکی کے احساسات کو زبان دی ہے۔''انجم'' روٹین کی زندگی سے آزادی چاہتی ہے مگر لڑکی ہونے کی وجہ سے ماں، باپ، بھائی، ان کے تفکرات، ان کی دعائیں ہر شے اس کے گرد حصار بنائے ہوئے ہے اور وہ چند گنے چنے خانوں میں ہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ پہچان ہی میں شامل افسانہ ''منی'' ایک نوعمر لڑکی کے احساسات کا ترجمان ہے۔منی بیک وقت حال اور ماضی میں زندہ ہے۔وہ اپنی شناخت کی تلاش میں ہے۔مگر وہ صرف موجود پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس کا ذہن بار بار اُسے ماضی میں لے جاتا ہے۔منی بحیثیت فرد گزرے وقت اور گزشتہ قدروں کی بازیافت کی خواہش مند ہے۔

خالدہ حسین نے اپنے افسانے ''زمین'' (مشمولہ دروازہ) میں مرکزی کردار شیریں کے ذریعے انسان کے روحانی آشوب کو موضوع بنایا ہے۔شیریں یقین کے سفر میں بار بار تشکیک کا سامنا کرتی ہے۔اس کی پیچیدہ کیفیات اور نفسی تجربات کے بیان کے لیے خالدہ حسین نے صوفیا کے ملفوظات اور قرآنی آیات کا حوالہ دیا ہے۔

> ''وہ دن کے اجالے میں جیتے جاگتے ایک اور دنیا میں کھڑی تھی جہاں درخت کلام
> کرتے تھے اور کیڑے ہم جنس تھے۔ہُدہُد سلطنتِ بلقیس کی خبر لاتے تھے۔غار میں
> سونے والے ایک نیند لیتے تھے اور صدیاں گزر جاتی تھیں۔''(۷)

شیریں روحانی تجربے اور کیفیت کو جذب نہ کر سکنے اور سالک کے کامل نہ ہونے کے سبب یقین اور عدم

یقین کی دنیا کے درمیان معلق ہے۔ وہ اپنے عہد کے انسان کی روحانی تشنگی کی نمائندہ ہے۔

خالدہ حسین نے عورت کے نفسی اور روحانی مسائل کو موضوع بنا کر اسے ذہنی، نفسیاتی اور روحانی سطح پر مرد کے برابر اہمیت دی ہے۔ بحیثیت فرد وہ اپنے عہد کے روحانی خلا، حرص، طمع، کشمکش، اضطراب اور بے سکونی کا سامنا ویسے ہی کر رہی ہے جیسے مرد کرتا ہے۔ خالدہ حسین کے مجموعے ''ہیں خواب میں ہنوز'' کے افسانے ''طلسمِ ہوش رُبا'' کی انسہ حیاتِ انسانی میں پھیلے طمع اور لالچ کے سب ذہنی نا آسودگی کے شدید احساس کا شکار ہے۔ روزمرہ زندگی کے مشاہدے اور قرآنی آیات کی مدد سے خالدہ حسین نے ایک ایسا اسلوب تشکیل دیا ہے جو پیچیدہ ذہنی کیفیات کے بیان کی صلاحیت رکھتا ہے۔

> ''رنگ کھوج کھوج کر اس کی آنکھیں تھک جاتیں۔ ہر رنگ بالآخر سرخ ہو جاتا۔ لہو کا رنگ، پھر اچانک اسے خیال آیا۔ فلاں شے کا ذخیرہ خالی ہو رہا ہے۔ وہ فون اٹھاتی یا گاڑی لے کر نکل جاتی۔ جگہ جگہ سے ذخیرہ اٹھانے۔ اسٹور میں لگا کے سب کچھ گنتی۔ گن گن کے بار بار گنتی۔ الھٰکم التکاثر۔ پھر برش اٹھاتی۔''(۸)

بڑھتی عمر عورت کے خدوخال پر زوال کے نشان چھوڑتی ہے انہیں قبول کرنا عورت کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ جسمانی کشش میں کمی اور اس کے نتیجے میں عدم توجہ کے رویے اس کو جس نفسیاتی دباؤ کی طرف لے جاتے ہیں خالدہ حسین نے اپنے افسانے مکالمہ (مشمولہ مصروف عورت) میں اُسے موضوع بنایا ہے۔ جہیز کے صوفے کے پرانے ہونے، اس کی بدرنگی اور رفتہ رفتہ اس کے کم حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ عورت کے چہرے اور خدوخال کی تبدیلی کا بیان اور صوفے سے موازنہ اس کی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی شکستگی کو سامنے لاتا ہے۔ خالدہ حسین ہر عمر کی عورت کے احساس اور ذہنی و نفسی کیفیات کو بہت تفصیل اور گہرائی سے بیان کرتی ہیں۔

حمیدہ معین رضوی کا افسانہ ''دہلیز اس گنبد کی'' (مشمولہ اجلی زمیں میلا آسماں) ہسپتال میں بے ہوش عورت کے ذہنی سفر کی روداد پیش کرتا ہے۔ مسرت لغاری کے افسانے ''میں کون ہوں؟'' (مشمولہ گھر ہونے تک) میں ایک عورت کے بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہونے کے حوالے سے اس کی اپنی شناخت کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ افسانہ ایک عورت ''نادرہ'' کے مسلسل خیالات پر مشتمل ہے۔ ان خیالات میں عورت کی بے بسی کا احساس اور مرد کے خلاف شدید غصے کا اظہار نمایاں ہے۔

> ''وہ سوچ رہی تھی بے بسی کا یہ کیسا سحر ہے جو ٹوٹتا ہی نہیں؟ اس کے ہاتھ پاؤں ماں کے پیٹ میں بندھے ہوئے تھے تو بندھی ہوئی تو وہ آج بھی تھی۔۔۔ کس قدر بے بس تھی وہ۔۔۔''(۹)

ام عمارہ کا افسانہ ''ٹھنڈے بدصورت ہاتھ'' (مشمولہ درد روشن ہے) شوہر کی طرف سے ٹھکرائی جانے والی بانجھ عورت کے کرب کا بیانیہ ہے۔ عورت کے لیے شوہر کا ساتھ صرف خوشی اور آسائش کی موجودگی میں ہی معتبر نہیں ہوتا

وہ اس سہارے کی تمنا میں دکھ، درد، بے اعتباری اور نا قبولیت کے ہر رویے کو برداشت کرتی ہے۔ ایسے میں اُسے بانجھ پن کا مجرم قرار دے کر گھر سے بے دخل کر دینا اسے کم مائیگی کے گہرے احساس سے دوچار کر دیتا ہے۔ افسانہ عورت کی کیفیات کے بیان پر مشتمل ہے جس سے اس عورت کے ذہنی انتشار کرب اور بے بسی کا اظہار ہوتا ہے۔ سکون آور دواؤں کے باوجود ذہنی بے سکونی کی شکار اس عورت کی کیفیات اس کا اظہار اس کے احساسِ درد کے ترجمان ہیں۔

> ''بنجر زمین جس طرح سونا اگلنے کی بجائے خاک اڑاتی ہے بالکل اسی طرح اس کی بنجر کوکھ میں خاک اُڑ رہی تھی۔ اور اب وہ خاک اُڑ کر اس کی مانگ میں پڑ گئی تھی۔
> سہاگ اجڑا نہیں تھا بلکہ اس نے تھوک دیا تھا اور اب وہ اپنی بنجر کوکھ لیے اس دنیا میں آ گئی تھی۔'' (۱۰)

امِ عمارہ نے کردار کے خیال اور احساس کے بیان سے اس کی خارجی اور داخلی زندگی کی پوری داستان بیان کر دی ہے۔ انسان ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطنی جہان میں بھی زندگی بسر کرتا ہے جو ظاہر کی زندگی سے متاثر ہوتا ہے اور اسے متاثر کرتا بھی ہے۔ ام عمارہ نے اسی باطنی دنیا کو خارج سے واقفیت کا حوالہ بنایا ہے۔ ڈاکٹر شفیق انجم نے لکھا ہے کہ:

> ''روایتی افسانے نے انسان کا خارجی پورٹریٹ بنایا تھا۔ جدید افسانہ نگاروں نے اس کا داخلی خاکہ تیار کیا۔ یہاں حیاتیاتی انسان سے زیادہ نفسیاتی انسان کی تصویر کشی ہے۔۔۔۔۔۔ تاہم ان کو ٹائپ اکہرا اور مثالی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ بنیادی طور پر یہ پیکر احساساتی اور تجریدی ہیں اور اس حوالے سے ابعاد و امکانات کے متنوع زاویے ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔'' (۱۱)

افسانہ نگار خواتین سادہ اور عام فہم انداز میں عورت کی باطنی کیفیات اور ذہنی و روحانی واردات کا بیان کرتی ہیں جس سے افسانے میں گہری معنویت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے ابلاغ کا مسئلہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ عطیہ سید نے اپنے افسانے ''آنسو کا نمک (مشمولہ شہر ہول) میں ایک عورت کے احساسات کی کہانی بیان کی ہے جو اپنے شوہر کے سرد رویے کے باعث خواہش کے باوجود اس کے قریب نہیں جا پاتی۔ شوہر کے ساتھ طویل سفر کے دوران کئی مقامات پر وہ کشمکش سے گزرتی ہے۔

> ''وہ چاہتی تھی کہ فہیم اس کا ہاتھ تھام لے یا وہ خود ہی اس کا کندھا پکڑ لے کہ ہوا کے زور کے سامنے اپنے آپ کو سنبھالے لیکن اس کے اندر ایک جھجک تھی ایک گریز تھا۔
> وہ فہیم کو چھوتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ کہیں اُسے ناگوار محسوس نہ ہو۔'' (۱۲)

عورت ہمیشہ مرد کی طرف سے اظہار کی متمنی رہتی ہے اور اس کے پہل کرنے پر مرد کی طرف سے ناگواری کا رویہ اس کے لیے توہین کا باعث بن جاتا ہے۔ سفر سے واپسی پر فہیم کے شور کوٹ جانے کے بعد یہ عورت ایک اور

احساس سے آشنا ہوتی ہے کہ جیسے وہ بوڑھی ہو چکی ہے اور کوئی اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں عورت کا احساسِ حسن اور اظہار کی طلب سامنے آتی ہے اور فہیم کے خط سے اس کے جذبوں کا اظہار اس کیفیت کو ختم کر دیتا ہے۔

عطیہ سید نے عورت اور مرد کے رشتے کے درمیان پیدا ہونے والی دوری کے دنوں میں عورت کے احساسات کو بیان کیا ہے۔ قربتوں کی خواہش، رشتوں کا احترام اور اپنی ہستی کا وقار روایتی عورت کی اقدار ہیں جن کی بیک وقت پاسداری کی کوشش میں وہ ایسی کئی کیفیات اور نفسیاتی الجھنوں کا سامنا کرتی ہے۔

فرحت پروین کے افسانے ''ریستوران کی کھڑکی سے'' میں کردار کے ذہنی عمل کو بنیاد بنا کر خارجی زندگی کے مظاہر سے معنی اخذ کئے گئے ہیں۔ اس افسانے کی مرکزی کردار وینکور کے حسین شہر کے ریستوران کی کھڑکی سے لوگوں کو دیکھتی ہے۔ اس کی نظر انسانوں کے چہروں سے ان کے ذہنوں تک جاتی ہے اور وہ ان کے مزاج، نفسیات اور داخلی کیفیات کا اندازہ لگاتی ہے۔ ایسے میں ایک عورت کا چہرہ اسے پہلے بھی دنیا کے دو مختلف مقامات پر دیکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں خارجی مشاہدہ داخلی احساس کے ساتھ مل کر اس کی ذاتی کیفیات کی عکاسی کرنے لگتا ہے۔

> ''یقیناً یہ تینوں چہرے ایک سے نہ تھے مگر ان کا تاثر انہیں ایک سا بنا تا تھا۔ اور آنکھیں تو تینوں جگہ بالکل ایک سی تھیں۔ ہو سکتا ہے ان کی وضع مختلف ہو مگر وہ دکھائی کہاں دیتی تھی۔ بس انسان ان کی گہرائی میں ڈوبتا چلا جاتا تھا۔ پھر ان میں ڈیرے جمائے ہوئے وہ اداسی اور تھکن۔۔۔ اسے ان آنکھوں سے اتنا لگاؤ کیوں ہے۔۔۔؟ اب یہی تھکن اس کی آنکھوں سے بھی جھانکنے لگی تھی، شاید۔'' **(۱۳)**

مصروف زندگی میں خود سے بچھڑی ہوئی عورت جس کی تلاش میں ہے وہ اس کا اپنا چہرہ ہے۔ یہ عورت ہمیں کئی قومیتوں کے لوگوں سے روشناس کرواتی ہے اور ایک ناظر اور مبصر کے طور پر ان لوگوں کی نفسیات، زندگی، پیشوں اور مزاجوں پر تبصرہ کرتی ہے۔ افسانے میں اس نوع کی خود کلامی کے بارے میں انیس ناگی کی یہ رائے بہت اہم ہے کہ:

> ''جہاں بھی خود کلامی کو کہانی کے بیان اور افسانے کی تشکیل میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی غایت دنیا کو ایک "Psychological Reality" کے طور پر پیش کرنا ہوتی ہے کہ زندگی اور دنیا کے معاملات کو افسانہ نویس اپنی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے انہیں کردار کی بصارت کے سپرد کر دیتا ہے۔'' **(۱۴)**

فرحت پروین نے بھی کردار کے ذریعے دنیا اور پھر اس دنیا کے پیچھے چھپی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اس سارے سفر کے دوران جو کردار کی کیفیات کے تابع ہے جو حقیقت منکشف ہوتی ہے وہ اس کردار ہی کی داخلی شخصیت کو سامنے لاتی ہے اور ایک عورت کے باطن تک رسائی سے معنی کے نئے جہان سامنے آتے ہیں۔

عورت کے تشخص کو اجاگر کرتے نسائی تجربے اور احساس کی انفرادیت کے اظہار و اثبات کے لیے افسانہ

نگار خواتین نے عورت کے ذہن، اس کی سائیکی اور اس کے لاشعور تک رسائی کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں عورت کے انفرادی احساس کی ترجمانی بھی نظر آتی ہے اور بحیثیت فرد اجتماعی زندگی کے آشوب کے انسانی قلب و ذہن پر اثرات کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ ان افسانوں میں عورت کے شخصی و سماجی وجود کے ساتھ ساتھ اس کے افعال کے پسِ پشت کارفرما عوامل، اس کے رویوں کے محرکات و مضمرات اور اس کی جنسی و جذباتی زندگی کے اس کے قلب و ذہن پر اثرات کو پیش کیا گیا ہے۔ عورت کے بحیثیت فرد داخلی احساس، خوف اور تشکیک کی فضا میں پیدا ہونے والے احساسِ عدم تحفظ، ماحول کے ساتھ مزاحمت کے نتیجے میں پسپائی کے خوف، وقت کی شکست و ریخت کے سامنے بے بسی سمیت متعدد احساسات کے اظہار نے ان افسانوں کو عورت کے جہانِ داخل کا ترجمان بنا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سیمون دی بوا، عورت، (مترجم) یاسر جواد، فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۹ء ص ۳۰
۲۔ حجاب امتیاز علی، وہ بہاریں یہ خزائیں، سنگ میل پبلی کشنز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۰
۳۔ قرۃ العین حیدر، پت جھڑ کی آواز، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۴۷
۴۔ نزہت عباسی، ''روشنی کی رفتار- ایک تجزیاتی مطالعہ'' مشمولہ قرۃ العین حیدر۔ اردو فکشن کے تناظر میں، مرتبین حسن ظہیر و دیگر، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۴۱۲
۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، ادب در ادب، مقبول اکیڈمی لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۳
۶۔ دیویندر اسر، نئی صدی اور ادب، پبلشرز اینڈ ایڈوائزرز نئی دہلی ۲۰۰۰ء، ص ۶۷
۷۔ خالدہ حسین، دروازہ، خالد پبلی کشنز کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۱۶۶
۸۔ خالدہ حسین، ہیں خواب میں ہنوز، دوست پبلی کشنز اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۳۴
۹۔ مسرت لغاری، گہر ہونے تک، قاسمی صاحب لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۶۷
۱۰۔ ام عمارہ، در در وشن ہے، مقبول اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۷
۱۱۔ شفیق انجم ڈاکٹر، اردو افسانہ (بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں) یورپ اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۲۴۶
۱۲۔ عطیہ سید، شہر ہول، سنگ میل پبلی کشنز لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۱۸
۱۳۔ فرحت پروین، ''ریستوران کی کھڑکی سے''، اساطیر، لاہور، مئی ۲۰۰۰ء، ص ۳۲
۱۴۔ انیس ناگی، نئے افسانے کی کہانی، جمالیات لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۸۱